وراثت میں پوتے کا حصہ

جناب مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی
سابق استاد جامعہ رحمانی۔ مونگیر

شائع کردہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

76A/1، مین بازار، اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
Ph.: 011-26322991, Telefax: 011-26314784

©جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

نام کتاب : وراثت میں پوتے کا حصہ
مصنف : جناب مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب، استاد جامعہ رحمانی، مونگیر (بہار)
کمپوزنگ : مرکزی دفتر بورڈ (فیضان احمد ندوی)
پروف ریڈنگ : محمد وقار الدین لطیفی ندوی
قیمت : ۱۵/روپے

ناشر

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ- دہلی

فہرست

ابتدائیہ ۴
حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے سوالات کا خلاصہ ۶
ایک اصولی بات ۱۲
مسلمان کی ذمہ داری ۱۳
اصل سوال ۱۴
ورثاء کی شکلیں اور حکم نبوی ۱۶
پوتے کے متعلق صحابی کا حکم ۱۷
اصول کی تطبیق ۱۹
غور فرمائیے ۲۰
زندگی وراثت کی شرط ۲۳

ابتدائیہ

مسلم پرسنل لا کے متعلق جن چند مسائل کو نشانہ بنایا جاتا ہے ان میں ایک مسئلہ محروم پوتے کی وراثت کا بھی ہے، اس مسئلہ کو مختلف انداز سے پیش کیا جاتا ہے، اور اسلام کے قانون وراثت پر چوٹ کی جاتی ہے، اور بات کچھ اس انداز سے رکھی جاتی ہے کہ اسلام نے ''بیچارے غریب یتیم پوتے'' کو وارث قرار نہ دے کر بڑی زیادتی کی ہے۔ حالانکہ اسلامی قانون کے مطابق پوتا ہر حال میں محروم نہیں ہوتا۔ تقسیم وراثت کے لحاظ سے خاندان میں پوتے کی ۲۷ر شکلیں ہوسکتی ہیں، جن میں صرف ایک شکل میں وہ وارث نہیں ہوتا، دوسری بات یہ ہے کہ اس ایک شکل میں وہ پوتا یتیم اور بے چارہ ہو یہ ضروری نہیں۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ بیچارہ اور یتیم ہے۔ تو غور کرنا چاہئے کہ کیا قانون تقسیم وراثت میں جائیداد ملنے کی وجہ (علت) بیچارگی اور یتیمی ہوسکتی ہے؟ اگر بیچارگی یا یتیمی کو علت مان لیا جائے تو دنیا کے کسی بھی قانون تقسیم وراثت کے مطابق جائیداد کی تقسیم نہیں ہوسکتی، کیونکہ جتنے بھی قوانین ہیں خواہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی — اس میں بیچارگی، معذوری یا یتیمی کو بنیاد نہیں مانا گیا ہے، اسے یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے چار لڑکے ہیں، دو صحیح و سالم، عاقل و بالغ اور آسودہ حال ہیں۔ ایک پیروں سے معذور ہے، اور چوتھا سب سے چھوٹا نابالغ ہے۔ والد کا انتقال ہوگیا اور اس نے چار لڑکے ہی بطور وارث چھوڑے تو تقسیم جائیداد میں دنیا کے کسی بھی رائج قانون کے مطابق چاروں کو برابر کا حصہ ملے گا۔ نابالغ جو یتیم ہوگیا، اسے یہ کہہ کر زیادہ نہیں دیا جاسکتا کہ وہ یتیم ہے اس لئے اسے دوہرا حصہ دیا جائے، یا معذور کے متعلق یہ نہیں فیصلہ کیا جاسکتا کہ وہ بیچارہ ہے، اس لئے اسے زیادہ جائیداد کا وارث بنا دیا جائے۔

لیکن اگر ''بیچارہ یتیم پوتا'' کو صرف اس لئے جائیداد کا وارث بنانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ یتیم اور بے چارہ ہے، تو پھر اس بیچارہ یتیم یا معذور بیٹے کو زیادہ جائیداد کا حقدار بنانے کی کوشش کیوں نہیں کی جاتی؟ — حقیقت یہ ہے کہ جاننے والے اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ بیچارگی اور یتیمی کی بنا پر جائیداد کی تقسیم نہیں ہوتی ''بیچارگی'' ہمدردی اور تعاون کا ذریعہ بنتی ہے، حقدار

اور وارث نہیں بنایا کرتی۔

لیکن اسلام کے قانون وراثت پر اعتراض کرنے کے لئے یہ سہارے تلاش کئے گئے ہیں اور عنوان ایسا منتخب کیا گیا ہے جس سے لوگوں کے ذہن کو متاثر کیا جائے۔ اور اب اس اعتراض کو علمی انداز میں پیش کیا جاتا اور بحث کی جاتی ہے۔ ایسی ہی کسی مجلس میں ہمارے حکیم ظل الرحمٰن صاحب بھی شریک ہوئے، اور ان کے ذہن میں بھی کچھ سوالات پیدا ہوئے۔ حکیم صاحب آل انڈیا طبی کانفرنس کے جنرل سکریٹری ہیں۔ انہوں نے دینی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ اور علمی شغف بھی رکھتے ہیں۔ ان کے ذہن میں پوتے کی وراثت سے متعلق کچھ سوالات اور کئی شبہات پیدا ہوئے۔ انہوں نے میرے نام ایک سوالنامہ بھیجا، جس میں یہ سوالات اور شبہات درج کئے، اور اپنی تشفی اور علمی تحقیق کرنا چاہی۔

میں نے یہ سوالنامہ مولانا زبیر احمد صاحب استاد حدیث جامعہ رحمانی مونگیر کے حوالہ کیا۔ انہوں نے سوالات اور شبہات کے پیش نظر جواب مرتب کیا۔ بحمد اللہ ان کے جواب سے حکیم صاحب موصوف کی تشفی ہوئی۔ انہوں نے جواب کی تحسین کی اور یہ رائے بھی دی کہ بعض ذہنوں میں پوتے کی وراثت کے متعلق جو سوالات ابھر رہے ہیں ان کے جوابات اس تحریر میں موجود ہیں — میں نے مناسب سمجھا کہ اس تحریر کی اشاعت ہونی چاہئے۔ اس مقصد کے تحت حکیم ظل الرحمٰن صاحب سے اس کی اشاعت کی اجازت لی گئی، اور پریس میں جانے سے پہلے میں نے دوبارہ نظر ثانی کی۔ اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد اب یہ تحریر پریس کے حوالہ کی جارہی ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی جانب سے یہ مفید رسالہ شائع کیا جارہا ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس سے پہلے اسی موضوع پر جناب مولانا قاضی عبد الرزاق صاحب قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ (برائے کٹیہار) کا محققانہ رسالہ ''پوتے کی وراثت'' شائع ہو چکا ہے۔ اور اہل علم نے اسے پسند کیا ہے۔ خدا کرے یہ رسالہ بھی مختلف ذہنوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کو دور کرنے کا ذریعہ بنے۔ (آمین)

منت اللہ رحمانی

خانقاہ، مونگیر، ۲؍صفر ۱۴۰۵ھ

جناب حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے سوالات کا خلاصہ

مکرم بندہ! جناب مولانا منت اللہ رحمانی صاحب سلام مسنون

پوتے کی محرومی سے متعلق بعض شبہات ہمارے سامنے بعض اہل علم حلقوں سے پیش کئے گئے، میں اپنے محدود علم کے سبب تشفی بخش جواب سے قاصر رہا، امید کہ آپ ان شبہات کا تشفی بخش انداز میں جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (سورہ نساء) پوتے کو محروم الارث قرار دینے کی تمام تر بنیاد یہی آیت، بالخصوص آیت کا لفظ ''اقربون'' ہے۔ آیئے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کرلیں۔ اس میں الرجال اور النساء کے الفاظ عمومی معنی میں مستعمل ہیں، جس سے مراد معاشرے کے جملہ افراد ہیں، اگر یہ آیت ''لِلنَّاسِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ'' بھی ہوتی تب بھی اس کا مفہوم پورا ہوتا، اس آیت سے پوتے کو محروم ثابت کرنا علماء اور فقہاء کی محض ایک رائے ہے جس سے دوسرے نصوص کی روشنی میں متقدمین کے تقدس سے مرعوب ہوئے بغیر اختلاف کیا جاسکتا ہے۔

(۲) اس مسئلہ کو پوتے کی وراثت کا مسئلہ بالکل نہ بنایئے، بلکہ اس کو محروم بیٹے کی وراثت کا مسئلہ سمجھئے، آخر وہ کونسی چیز ہے جو ایک مرحوم بیٹے کو اپنے باپ کے ترکہ سے محروم کردیتی ہے، ابھی تک قرآن وحدیث سے یہ بات ثابت نہیں کی جاسکی کہ وارث کے لئے مورث کی موت کے وقت زندہ موجود رہنا ضروری ہے، بلکہ حدیث سے تو الٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو بھی اس دنیا میں زندہ پیدا ہوجائے وہ لازمی طور پر وارث ہوگا۔ چنانچہ ابوداؤد

شریف کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ بچہ جب پیدا ہونے کے بعد روئے (یعنی اس میں زندگی کی کوئی علامت پائی جائے) پھر وہ مرجائے تب وہ وارث ہوگا، اس سے تو بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ وارث ہونے کے لئے صرف اس کا دنیا میں زندہ شکل میں پیدا ہو جانا کافی ہے، زندہ موجود رہنا ضروری نہیں، خود فقہاء بہت سے ایسے مسائل لکھتے ہیں جس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کی بیوی کو آغازِ حمل ہوا، حمل کی کوئی واضح صورت یقینی نہیں ہے، اور وہ شخص مرجائے تو اس کے ترکہ میں اس حمل کا بھی حصہ رکھا جاتا ہے، جبکہ ابھی حمل میں زندگی کے کوئی آثار نہیں ہوئے، کیونکہ حمل میں زندگی تین ماہ بعد ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ رہنا ضروری نہیں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ... الخ ایک عام ہدایت ہے جس وقت اسے ابوداؤد شریف کی حدیث اور فقہاء کے اقوال اور فقہی نظائر کی روشنی میں غور کیا جائے گا تو میرا خیال ہے کہ اس فیصلہ میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ وارث ہونے کے لئے اس روئے زمین پر ایک سانس لے لینا کافی ہے، مورث کی موت کے وقت زندہ ہو یا نہ ہو۔

(۳) کسی کا وارث ہونا اور اسے ترکہ ملنا یہ دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، ہم اپنے باپ کے وارث ہیں، مگر ترکہ سے حصہ باپ کے مرنے کے بعد ہی پائیں گے، تو جب ہم فی الحال وارث بن گئے تو ترکہ سے حصہ پاتے وقت میرا وجود کیوں ضروری ہوگا۔ بعض لوگ اپنے مورث کے وارث ہوتے ہیں مگر چونکہ مورث مال چھوڑ کر نہیں مرتے، اس لئے وہ وارث ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں پاتے، جیسا کہ انبیاء کرام کے وارث تو ہوتے ہیں مگر ان کا ترکہ نہیں ہوتا، قرآن کی اس آیت میں غور کریں، ''فَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ وَلِياً يَرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ الِ يَعْقُوْب'' یہاں وراثت کے ساتھ ترکہ کا وجود شرط نہیں قرار پاسکتا۔ کیونکہ

انبیاء کا ترکہ ہی نہیں ہوتا، اور کبھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غیر ترکہ میں بھی ورثاء کو وراثت کے طور پر حصہ مل جاتا ہے، مثلاً ایک سپاہی کسی جنگ میں مارا جاتا ہے، مرنے کے بعد حکومت ایک انعامی رقم سے نوازتی ہے یہ رقم ترکہ نہیں ہے کیونکہ موت کے وقت اس کا کوئی وجود نہیں تھا، لیکن علماء اسے ترکہ قرار دے کر قانونِ وراثت کے مطابق تمام ورثاء پر اس کو تقسیم کرتے ہیں۔

(۴) الف۔ بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی اور نانی کا چھٹا حصہ مقرر کیا (مشکوٰۃ)

ب۔ عمران بن حصین سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میرا پوتا مرگیا ہے، اس کے مال میں میرا کیا حصہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ چھٹا حصہ ملے گا الخ

ج۔ قبیصہ بن ذویب سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کی روایت کے مطابق دادی کو چھٹا حصہ دلایا۔ (مشکوٰۃ)

د۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بیٹے کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلوایا۔ (مشکوٰۃ)

ہ۔ ولِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ واحدٍ منهُمَا السُّدُس مما تَرَكَ ان كان له ولدٌ فان لم يكن له وَلدٌ وورثه ابواه فلأمه الثُلُثُ (سورہ نساء)

یہاں ''اَبَوَيْهِ'' کے مفہوم میں دادا کو بھی شامل کیا جاتا ہے تو کیا ولد کے مفہوم میں ابن، اور ابن الابن کو داخل سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر قرآن کی اس آیت سے بھی روشنی پڑتی ہے۔ ''ان كان له ولد'' 'كان' عربی میں شاید ''تھا'' کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس طرح مرحوم بیٹے کو وارث بنانے کی تقویت خود قرآن کی اس آیت سے مل جاتی ہے۔

(۵) اب آیئے اس مسئلہ کو پوتے کی وراثت کے نقطۂ نظر سے بھی دیکھ لیا جائے سورہ نساء کی یہ چند آیتیں ہیں ''یوصیکم اللہ فی اولادکم'' اور ''للرِّجال نصیبٌ ممّا ترك الوالدان'' لکل جَعَلْنا مَوالیَ مما ترك الوالدانِ والأقْربون'' وغیرہ ان آیتوں میں اولاد اور والدین سے صرف پہلی نسل مراد نہیں ہے بلکہ یہ عام خطاب ہے جس سے نسل انسانی کا پورا معاشرہ نسلاً بعد نسلٍ مراد ہے تو ولد کے اس وسیع مفہوم کے اعتبار سے پوتے کو اپنے باپ کا قائم مقام سمجھے جانے کی بہت گنجائش ہے، ہماری ہم وطن قوم اہلِ ہنود کے ترکہ کی تقسیم کے وقت موجود غیر موجود اولاد کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا، اس سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ اہلِ ہنود کا یہ رواج ہمارے لئے کسی دلیل کا مترادف ہے، لیکن اگر ہمارا فیصلہ اس کے خلاف ہے تو قرآن وحدیث سے اس کا واضح انکار ہونا چاہئے۔

(۶) اب آیئے اس مسئلہ پر کفالت و وصیت کے نقطہ نظر سے غور کر لیں۔ قرآن کی آیت ''وعلی الوارث مثل ذلك'' سے علماء حضرات یتیم کی کفالت کو ثابت کرتے ہیں، جبکہ سیاق وسباق کی روشنی میں اس آیت کا تعلق کفالتِ یتیم سے نہیں، بلکہ رضاعت کے مسئلہ سے ثابت ہوتا ہے، پھر عجب بات ہے کہ فقہاء ترکہ کی نسبت کے بقدر دوسرے وارثین پر کفالت کی ذمہ داری فرض کہتے ہیں اور فی نفسہٖ اس کا ترکہ میں حصہ تسلیم بھی کرتے، تو جب ترکہ ہی نہ رہا، تو پھر بقدر ترکہ کیا چیز۔

(۷) سورہ نساء یتیم کے سلسلے میں آیتوں سے بھری پڑی ہے کیا وراثت کی سورہ میں یتیم کا اس شدّت وکثرت سے ذکر اس کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ تقسیم وراثت کے وقت یتیم کو محض اس لئے محروم مت کر دینا کہ اس کا باپ موجود نہیں ہے، فقہاء بھی پس پردہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس پوتے کو بھی وارث ہونا چاہئے، لیکن انہیں اپنے مخصوص طرز فکر اور طرز تفسیر کے مطابق حدیث وقرآن میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس لئے وصیت و کفالت

جیسی تجویزوں کے ذریعہ اس کی تلافی کرتے ہیں، کفالت ایک اخلاقی فریضہ ہے، شریعت اسے قانوناً لازم نہیں کرتی ہے، اور وصیت کی آیتیں تو آیتِ میراث سے منسوخ ہوچکیں، ورثاء کے لئے وصیت ہو ہی نہیں سکتی۔

(۸) یہ عجب بات ہے کہ پوتے کو محروم قرار دینے والے صرف منطقی دلیلوں تک اپنے آپ کو محدود رکھتے ہیں، اگر شرعا دلائلِ صیحیحہ سے یہ مسئلہ ثابت اور درست ہے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ وسلم کی زندگی کی ایک بھی مثال احادیث سے کیوں نہیں پیش کرتے کہ حضورؐ نے پوتے کو محروم وراثت قرار دیا ہے، تاکہ یہ مسئلہ قابل بحث ہی نہ رہے، اب تک جو چیزیں سامنے لائی گئیں ہیں وہ صرف فقہاء کے فتویٰ، عقلی دلیلیں، اخلاقی اور انسانی اپیلیں ہیں اور بس!

(۹) یتیم کی کفالت ایک مجبوری کی صورت ہے، جس میں دوسرے کا ممنون احسان ہونا پڑتا ہے، اور احساسِ کمتری کا شکار بننا پڑتا ہے، اسلام کے پورے ڈھانچہ پر مجموعی حیثیت سے جب نظر ڈالیں گے تو محسوس ہوگا کہ اسلام معاشرہ کی ان باتوں کو نظر انداز نہیں کرتا، جیسے صحیح الذہن افراد کی اکثریت اچھا سمجھتی ہو، عیدین کے دو تہوار صرف اس لئے ملے کہ ماضی میں نوروز وغیرہ منائے جاتے تھے، حضرت ابوسفیانؓ نے مشہور اسلام دشمنی کے باوجود فتح مکہ کے موقع سے پیغمبر اسلام نے ان کے گھر کو دارالامان قرار دے دیا، تو کیا یہ مذہب ایسے بچہ کو جو بھرے گھر کا ایک فرد ہے یتیم شمار کرانا پسند کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ ''الیوم اکملت لکم دینکم'' کا دعویٰ کرنے والا مذہب ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔

انسان اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہے اور قدرت نے اسے عقل سلیم کی دولت عطا فرمایا ہے، کیا جس چیز کو معاشرے کی بڑی اکثریت صحیح سمجھتی ہو مسلمان کی عقل سلیم اسے غلط کہہ سکتی ہے، جس بچہ کو قدرت نے باپ جیسی نعمت سے محروم کر دیا ہو اسے مزید محرومیوں سے

دو چار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ایک معقول انسان آسانی سے یہ فیصلہ کرسکتا ہے، ایسی صورت میں اس بچہ کو محروم کرنا ایک زیادتی ہے، ان حالات میں ماضی کے تقدس اور اس کے ساتھ عقیدت میں غلو سے نکل کر جرأت سے کام لیا جائے تو مسئلہ حل ہوسکتا ہے، ورنہ تختہ مشق بنتے رہیئے۔ قدامت پسندی اور احساس کمتری کا شکار بنے رہنا ایک کمزوری اور فکر و نظر کا جمود ہے، اس لئے سابقہ فتاویٰ کے خلاف تحقیق سے گریز اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوسکتا۔

حکیم ظل الرحمٰن
سکریٹری آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس
قاسم جان اسٹریٹ، دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین و علیٰ الہٖ و اصحابه اجمعین

امابعد!

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مدظلہٗ، جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام آپ کا مراسلہ آیا، حضرت نے مراسلہ پر سرسری نگاہ ڈالی تو ٹائپ کی خرابی کے باعث بہت زیادہ جگہوں سے پڑھا نہ گیا۔ اور آپ کو مراسلہ کی صاف کاپی بھیجنے کے لئے لکھا گیا جب صاف کاپی آئی تو حضرت سفر میں جا رہے تھے۔ مراسلہ پر نگاہ ڈال کر میرے حوالہ کیا کہ اس کا جواب لکھ کر رکھوں واپسی پر نظر ثانی کے بعد جواب دیا جائیگا اس کے بعد آل انڈیا مسلم لا بورڈ کے سالانہ اجلاس مدراس کی تیاری شروع ہوگئی، حضرت مدظلہٗ نے پھر سفر اختیار کیا۔ اور ایک ماہ کے بعد بیمار واپس آئے، اسی حال میں جواب پر نظر ثانی فرمائی، اور اب آپ کے مراسلہ کا جواب جا رہا ہے۔

ایک اصولی بات

سب سے پہلے ایک ضروری بات عرض کردوں کہ مجھے یہ حسن ظن ہے کہ آپ احکام شریعت کے جتنے اسلامی مآخذ اور مستدل ہیں، سبھی کو تسلیم کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرح اجماعِ امت اور قیاس مجتہدین بھی مراسلہ نگار کی نظروں میں احکامِ شریعت کا ماخذ و مستدل ہوگا۔ اگر خدانخواستہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی کو قابل اعتماد استدلالی حیثیت دی جائے اور اجماع امت، اور آثارِ صحابہ اور قیاس مجتہدین کو اس قابل نہ سمجھا جائے کہ اسے کسی حکم شرعی کے ثبوت میں بطور استدلال پیش کیا جاسکے۔ تو پھر گفتگو کا

رخ دوسرا ہوگا۔ اس وقت کسی مسئلہ شرعی کے ثبوت و عدم ثبوت سے متعلق بحث نہیں کی جائیگی بلکہ سب سے پہلے قرآن وحدیث کے ان قطعی نصوص کو رکھا جائے گا جن سے اقوال صحابہ، آثارِ صحابہ، اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی استنادی اور استدلالی حیثیت واضح ہوتی ہے۔ اور بتلایا جائے گا کہ جس طرح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو احکام شریعت میں بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح اقوال صحابہ، اجماع امت اور قیاس مجتہدین بھی احکام شریعت کے ثبوت میں قابل استناد ہیں۔

اب ایک مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ علی الاطلاق اقوال وآثار صحابہؓ، اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی استنادی حیثیت کا انکار کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان ہے: **عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين** (ابن ماجہ باب اتباع السنۃ) لا تجتمع امتی علی الضلالۃ (مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔

مسلمان کی ذمہ داری

مخاطب کو اسلامی طرزِ فکر کا حامل مانتے ہوئے یہ عرض کردینا چاہتا ہوں کہ شریعت اسلامیہ کے احکام انسانی خواہشات اور تمناؤں کے تابع نہیں ہوا کرتے، بلکہ مسلمانوں کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور تمناؤں کو اسلامی احکام کے تابع رکھیں ”لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به“ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

اسلام کا حکم یہ ہے کہ جس امر کا شرعی ہونا دلائل شرعیہ سے ثابت ہوجائے اسے تسلیم کرلینا ہے۔ اور اس کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ خواہ اس کے حکم و مصالح پوری طرح ہمارے شعور کی گرفت میں آئیں یا نہ آئیں۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكّموك فيما شجر بينهم ثم لايجدوا فى أنفسهم حرجاً ممَّا قَضَيتَ و يسلِّموا تسليماً سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس

جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کریں خوشی سے (سورہ نساء، ترجمہ شیخ الہند، رکوع ۹)

وَما كان لمؤمن ولا مؤمنةٍ اذا قضىٰ الله و رسوله امرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم، اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کردے اللہ اور اس کا رسولؐ کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا (سورۂ احزاب، ترجمہ شیخ الہند رکوع:۵)۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ورثاء کے حصص بیان کرتے ہوئے تنبیہ کردی: ”آبائكم و أبنائكم لا تدرون أيهم أقرب لكم نفعاً“ (سورہ نساء رکوع ۲) یعنی تم اپنے اصول و فروع کے متعلق پوری طرح نہیں جان سکتے کہ ان میں سے کون زیادہ نفع بخش ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے حصص کی تعیین ہمارے حوالہ نہیں کی گئی۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت کی بنیاد پر سبھوں کے حصے متعین کردئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم صرف اپنی صلاحیت اور عقل کے سہارے شرعی مصادر کا سہارا لئے بغیر احکام شرعیہ کو ثابت کرنا اور مسلمانوں پر لازم کرنا چاہتے ہیں۔ اور وطنی بھائیوں کے رسم و رواج اور مذہب سے متاثر ہوکر ایسے لوگوں کو بھی مورث کے متروکہ مال میں حصہ دلانا چاہیئے جن کا کوئی حصہ خدا نے مقرر نہیں کیا ہے۔ ہم قرآن و حدیث ائمہ کرام اور فقہاء کے فیصلوں سے استفادہ نہیں کرتے بلکہ گرد و پیش کے حالات اور ماحول کے دباؤ کی وجہ سے جو ذہن بنتا ہے اسے اسلام پر چسپاں کرنا چاہتے، آیات کی تفسیر، احادیث کی تشریح اور مسائل کی تعبیر ایسی کرنا چاہتے ہیں جس سے خدا اور اس کا رسول راضی ہو یا نہ ہو کچھ مخصوص انسان خوش ہوجائیں۔

اصل سوال

پوتے کی وراثت کا مسئلہ اس وقت مسلم دانشوروں اور علماء میں موضوع بحث بنا ہوا

ہے — سوال یہ ہے کہ پوتا دادا کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں حصہ پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ حیرت ہوتی ہے جب کان اس آواز کو سنتے ہیں کہ یتیم پوتے کو اسلام نے قطعاً محروم کر دیا۔ دوسروں کا دست نگر بنا دیا۔ اور اس معذور و مجبور یتیم پوتے کے مستقبل کو اسلام نے کچھ سہارا نہیں دیا۔ کبھی یہ الزام علماء و فقہائے اسلام پر دیا جاتا ہے کہ فقہائے اسلام نے سب کچھ کیا، ان کی محنت، مشقت اور ان کی رہنمائی کے ہم بہت مشکور ہیں۔ لیکن یتیم پوتے کے ساتھ بڑی ناانصافی کی گئی کہ اسے بالکل ہی محروم کر دیا گیا۔ لیکن صورت حال ایسی نہیں ہے یہ تعبیر کا فرق ہے۔ دانشور تو دانشور ہی ٹھہرے۔ انہوں نے اپنی دانشوری سے صورتحال کی ایسی تصویر کھینچی اور مسئلہ زیرِ بحث کی ایسی تعبیر کی جس سے یتیم پوتا مظلوم اور فقہائے اسلام سراسر ظالم نظر آنے لگے۔

بلکہ صحیح صورت حال یہ ہے کہ پوتا دادا کے متروکہ سے اکثر و بیشتر حالات میں حصہ پاتا ہے، صرف ایک صورت ایسی ہے کہ اس میں اسلام نے پوتے کو دادا کے متروکہ سے محروم قرار دیا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''یتیم پوتے کی وراثت'' تالیف قاضی شریعت مولانا عبدالرزاق صاحب، کٹیہار)۔

اس لئے یہ سمجھنا اور کہنا کہ پوتا ہر حال میں محروم ہے، الٹی گنگا بہانا ہے، قاضی شریعت مولانا عبدالرزاق نے اپنے رسالہ میں پوتے کی ستائس شکلیں لکھی ہیں۔ چھبیس شکلوں میں میں پوتا دادا کے متروکہ سے حصہ پاتا ہے، صرف ایک شکل ایسی ہے جس میں دادا کے متروکہ سے پوتا کو حصہ نہیں ملتا، اور جس کی تلافی اسلام نے اور طریقوں سے کی ہے، کہا جاتا ہے کہ چھبیس صرف منطقی اور غیر واقعی ہیں، اور پوتے کی ایک ہی حالت واقعی ہے۔ جس میں وہ محروم قرار دیا گیا ہے۔ اب بے جا جرأت کو کوئی کیا کہے۔ ۲۶ شکلیں بتلا دی گئیں، اور سامنے رکھ دی گئیں، جن میں یتیم پوتا اپنا حصہ پا رہا ہے، لیکن اسے دیکھا نہیں جاتا اور یہی کہا جا رہا

ہے کہ یتیم پوتے کو فقہاء نے محروم کر دیا — جبکہ اوپر کہا گیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن میں ورثاء کے حصے کو بیان کرتے ہوئے تنبیہ کر دی ہے کہ تم اپنے اصول و فروع کے متعلق نہیں جان سکتے کہ ان میں کون شخص تمہیں زیادہ نفع پہنچا سکتا ہے۔ اس لئے اس میں دخل مت دو تمہارا علم ناقص ہے۔ اس علم و حکمت والے خدا نے سبھوں کے حصے متعین کر دئے ہیں۔ ہمیں ''مسئلہ وراثت'' پر گفتگو کرتے وقت ہمیشہ یہ تنبیہ سامنے رکھنا چاہئے۔ لیکن پوتے کی وراثت کا مسئلہ جو اس وقت موضوع بحث ہے، اس کی تعبیر و تشریح جس انداز سے کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مذکورہ بالا تنبیہ لوگوں کے سامنے نہیں رہی۔ مسئلہ کی تعبیر اس انداز سے کی جاتی ہے کہ بے چارے یتیم پوتے کا محروم ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ فقہاء کی ایک رائے ہے، اور بس! اور جس سے بے تکلف اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ اصل واقعہ اور مسئلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ پوتا بھی دادا کی متروکہ جائیداد کا وارث ہوتا ہے۔ دادا کی موت کے وقت اور ورثاء کی طرح اگر کوئی پوتا ہوگا تو وہ بھی شرعی وارث کی حیثیت سے حصہ پائے گا، ہاں اگر دادا اپنی وفات کے وقت اپنے کسی زندہ بیٹے کے ساتھ کسی پوتا کو چھوڑ کر مرتا ہے تو صرف یہی ایک شکل ایسی ہے جس میں دادا کے متروکہ سے پوتے کو حصہ نہیں ملتا۔ مسئلہ کی اصل حقیقت یہی ہے۔ اب اس کے مأخذ و مستدل پر بھی غور کر لیجئے۔

ورثاء کی شکلیں اور حکم نبوی

ورثاء میں سے بعض ذوی الفروض کہلاتے ہیں، جن کے لئے قرآن، سنت رسولؐ اور اجماع امت نے مورث کے متروکہ مال میں ایک خاص مقدار، نصف، ثلث، ربع، سدس اور ثمن کی شکل میں متعین کر دی ہے۔ بعض ورثاء عصبہ کہلاتے ہیں۔ جن کا حصہ قرآن نے ''للذكر مثل حظ الأنثيين'' کہہ کر اصولاً بتلا دیا ہے۔ نصف، سدس، ثلث، ربع کی تعیین نہیں کی چنانچہ ذوی الفروض کو دے کر باقی سارا مال عصبہ ہی کا ہوتا ہے۔ جو اسی متعینہ اصول

پر تقسیم ہوگا۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہے کہ بیٹا و پوتا عصبات میں سے ہے۔

اب اگر ایک شخص اپنے ذوی الفروض کے ساتھ اپنے دونوں عصبات (یعنی، بیٹا اور پوتا) کو چھوڑ کر مرے تو ذوی الفروض کو ان کا حصہ دے کر بقیہ مال کس کو دیا جائے گا۔ اس جگہ یہی ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ جس کا جواب حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دیا ''الحقوق الفرائض بأهلها فما بقى فهو لأولىٰ رجل ذكر'' یہ حدیث بخاری و مسلم اور دوسری تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔ حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ ذوی الفروض کو ان کا حصہ دے کر جو بچے وہ میت کے قریب تر عصبہ کو دیا جائے۔ اسی حدیث سے ترکہ کی تقسیم میں الاقرب فالاقرب کا شرعی اصول ماخوذ ہے۔ صورت مفروضہ میں چونکہ مرنے والے کا بیٹا پوتے کے مقابلے میں قریب تر عصبہ ہے اس لئے میت کے متروکہ سے پہلے ذوی الفروض کو اس کا حصہ دیا جائے گا۔ بقیہ کل مال کا حقدار بیٹا ہوگا۔ چونکہ وہ قریب تر عصبہ ہے۔ اور اس شکل میں پوتا کچھ نہیں پا سکے گا، اس حدیث کی موجودگی میں غور کیجئے کہ بیٹا کی موجودگی میں پوتا کی محرومی فقہاء کی ایک رائے ہے۔ یا جناب رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح حکم؟

پوتے کے متعلق صحابی کا حکم

جماعت صحابہ کرامؓ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی شخصیت بہت معروف و مشہور ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ''أفرضهم زيد بن ثابت'' (مشکوۃ باب مناقب العشرۃ) کی سند دے کر مسائل ارث کا سب سے زیادہ واقف کار بتلایا، وہ فرماتے ہیں: ''ولد الأبناء بمنزلة الولد اذا لم يكن دونهم ولد ذكرهم كذكرهم و انثاهم كأنثاهم يرثون كما يرثون ويحجبون كما يحجبون، ولا يرث ولد الابن مع الابن'' (بخاری شریف کتاب الفرائض ج ۲، ص/۹۹۷)۔

یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لڑکوں کی اولاد لڑکے کے قائم مقام ہیں، جبکہ ان کے ساتھ کوئی لڑکا نہ ہو، پوتے بیٹوں کی طرح ہیں۔ اور پوتیاں بیٹیوں کی طرح، پوتے اسی طرح وارث ہوں گے جس طرح بیٹے وارث ہوتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح مجحوب کریں گے جس طرح بیٹے اپنی موجودگی میں بعض دوسرے ورثاء کو مجحوب کرتے ہیں، اور پوتا بیٹے کی موجودگی میں وارث نہیں ہوگا۔

مشہور شارح حدیث علامہ عینیؒ نے شرح بخاری ج ۱۲، ص ۹۷ میں نقل کیا ہے ''هذا الذى قاله زيد اجماع ''یعنی زید بن ثابت کے اس قول پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اجماع کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کے اس قول سے سارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین متفق ہو گئے۔ چنانچہ پورے ذخیرۂ کتب میں کسی ایک صحابی کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملے گا۔ عہد صحابہ ہی نہیں بلکہ پوری تاریخ اسلام کے کسی قاضی شریعت کا فیصلہ اس کے خلاف نہیں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اجماع کے انعقاد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی مجلس منعقد کی جائے۔ اور کسی مسئلہ پر اس مجلس میں بحث ہو، اور پھر سارے حضرات کسی ایک رائے پر متفق ہو جائیں۔ بلکہ کسی صاحب علم و تقویٰ کی ایک رائے سامنے آئے۔ اور ارباب حل و عقد، بالغ نظر ماہرین شریعت اور وقت کے تمام مجتہدین اس رائے سے اختلاف کا اظہار نہ کریں۔ بلکہ قولاً یا عملاً اس کی تصویب کر دیں، تو اجماع شرعی منعقد ہو جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں ہوئی ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا قول حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہے۔ مگر حضرت زید بن ثابتؓ کے خلاف کسی صحابی کا کوئی قول نظر نہیں آئے گا۔ پھر یہ بھی مد نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کا یہ قول ورثاء کے استحقاق و محرومی سے متعلق ہے جس کی واضح بنیاد خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ارشاد میں موجود ہے۔ اس لئے صرف یہ کہہ کر ہلکا نہیں کیا جا سکتا کہ یہ محض ایک صحابی کی ذاتی رائے ہے۔ (۱)

---

(۱) اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت موجود ہے کہ ''اصحابى كالنجوم بأيهم اقديتم اهتديتم ''یعنی میرے صحابہ کی حیثیت ستاروں جیسی ہے، تم ان صحابہ میں جس کسی (اگلے صفحہ پر)

اصول کی تطبیق

سطور بالا کی روشنی میں غور کیجئے کہ بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی محرومی صرف چند فقہاء کی رائے نہیں ہے، بلکہ دلیل قطعی اجماع امت سے ثابت شدہ مسئلہ ہے۔ تقسیم ترکہ میں حدیث بالا سے ماخوذ ''الاقرب فالاقرب'' کا شرعی اصول جیسے عصبات کے استحقاق و حرمان میں اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح طرح ذوی الفروض کے استحقاق پر بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ دادی و نانی دونوں ہی ذوی الفروض میں سے ہیں، مگر ماں کی موجودگی میں دونوں محروم ہوجاتی ہیں۔ حدیث میں صراحت ہے ''عن بريدة عن النبی صلی الله عليه وسلم جعل للجدة السدس اذا لم تكن دونها ام'' (ابوداؤد) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو پوتے کے متروکہ سے چھٹا حصہ اس وقت دیا جب اس کی ماں موجود نہیں تھی۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تقسیم ترکہ میں ''الاقرب فالاقرب'' کا اصول واجب العمل ہے۔ اور اس کا لحاظ خود رسول اللہ نے اپنے فیصلے میں فرمایا ہے۔ اور قریبی رشتے دار ماں کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ رکھنے والی دادی و نانی کو محروم کردیا، غالباً اب بات واضح ہوگئی ہوگی کہ یوں تو پوتا دادا کے متروکہ سے متعدد صورتوں میں حصہ پاتا ہے۔ لیکن صرف چچا کی موجودگی میں پوتا کو دادا کے متروکہ میں حصہ نہیں ملتا اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ صرف ایک شکل میں پوتا کی محرومی یہ صرف فقہاء کی رائے نہیں ہے، بلکہ دلائل

کی بھی اتباع واقتدا کروگے سیدھے اور صحیح راستے پر رہوگے۔ اس حدیث کی روشنی میں حضرت زید بن ثابتؓ کی تنہا رائے کی پیروی بھی امت مسلمہ کے لئے ہدایت کی ضمانت ہے۔ اور اس رائے کو حکماً قول رسول ہونے کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ اور پوری امت کے اجماع سے بھی اس رائے کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے۔ اجماعِ امت بالعموم اور بالخصوص عہدِ صحابہ اور خیر القرون کا اجماع تو دلیل قطعی ہے، یہی وجہ ہے کہ پوری چودہ سوسالہ اسلامی تاریخ میں ایک بھی عالم دین اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کرسکا۔

شرعیہ سے ثابت شدہ ایک مسئلہ ہے۔ جس پر چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ شاہد عدل ہے۔ اب مناسب ہے کہ آپ کے مرسلہ مضمون کا تجزیہ کیا جائے۔ اور اس میں مندرج شبہات و استدلال کا جائزہ لیا جائے۔

غور فرمایئے!

(ا) آپ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (سورہ نساء ۷) کو نقل کرکے پورے وثوق سے لکھا ہے کہ ''پوتا کو محروم الارث بنانے کی ساری بنیاد اسی آیت کا لفظ ''الاقربون'' ہے۔ حالانکہ اس آیت کو اس مسئلہ سے براہِ راست تعلق ہی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس آیت کی روشنی میں بعض اسباب وراثت کی تعیین و تنقیح ہوتی ہے۔ اور تقسیم ترکہ میں مشہور شرعی اصول ''الاقرب فالاقرب'' کا استنباط ہوتا ہے''۔

آپ اس آیت کے مفہوم پر اس کے شانِ نزول کے پس منظر میں غور فرمائیں، دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو خواہ بالغہ ہوں، یا نابالغہ، اور نابالغ لڑکوں کو والدین اور اقرباء کے ترکہ سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ قرآن نے اس غلط رسم کی اصلاح کی، اور حکم دیا کہ والدین اور اقرباء کے متروکہ سے تمام مردوں اور عورتوں کو بالغ اور بالغہ ہوں۔ یا نابالغ اور نابالغہ، علی الاطلاق حصہ ملے گا۔ مرد وعورت کے حصہ میں تناسب کا فرق ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے الگ الگ دو جگہ ''نصیب'' استعمال کیا یہ مقصد ایک تعبیر ''للناس نصیبٌ'' سے ہرگز حاصل نہ ہو ہوتا۔ بہر حال مذکورہ بالا شانِ نزول کی روشنی میں اس آیت کے مفہوم پر غور کیا جائے تو آپ بھی اس سے اتفاق کریں گے کہ اس آیت کو مسئلہ زیرِ بحث (یعنی صرف ایک صورت میں پوتا کی محرومی) کی تمام تر بنیاد قرار دینا۔ صحت سے قریب نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث کی اصل بنیاد حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''فما بقی فهو

لاولی رجل ذکر ‘‘اور’’للجدة السدس ان لم تکن دونها أم‘‘اورحضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول’’لا یرث ولد الابن مع الابن‘‘ ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ مورث کی موت کے وقت، وارث کا زندہ اور موجود رہنا کوئی ضروری نہیں ہے، اس لئے مورث کا لڑکا جو دراصل مر چکا ہے، اس مرحوم کو زندہ فرض کر کے اولاً اسے حقدار مانا جائے گا۔ پھر اسے مردہ بنا کر اس کے لڑکے کو حصہ دیا جائے گا۔ یعنی اسے پوتا کی وراثت کا مسئلہ نہ بنایا جائے، بلکہ اسے مرحوم بیٹا کی وراثت کا مسئلہ سمجھا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے ابوداؤد کی ایک حدیث کو کسی تعلق کے بغیر دلیل کے طور پر نقل کیا ہے۔ اگر مردہ کو زندہ فرض کر کے وارث بنانا صحیح مان لیا جائے، تو اس کا سلسلہ کتنا دراز ہوگا۔ اور تقسیم ترکہ کا معاملہ کتنا الجھے گا۔ یہ معمولی غور وفکر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اس فرضی طریقہ کو صرف بیٹا کی حد تک رکھیں گے۔ کیونکہ اس تخصیص وترجیح کی کوئی دلیل آپ کے پاس نہیں ہوگی۔ لامحالہ مرحوم باپ، ماں اور دوسرے مرحوم اقرباء کو بھی زندہ فرض کرنے اور انہیں حصہ دار بنانے کی اجازت دینی ہوگی۔ اور اس کا نتیجہ نصوص قرآنی اور احادیث رسول کی خلاف ورزی ہوگی۔ اور شریعت اسلامی کے متوازی نئی شریعت کا ایجاد ہوگا۔

اوپر ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ اس وقت دلایا جب کہ میت کی دادی تو زندہ تھی، ماں زندہ نہ تھی، ظاہر ہے کہ میت کی کوئی ماں تو تھی مگر میت کی موت کے وقت وہ زندہ نہ تھی، مر چکی تھی۔ اس شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو حصہ دلایا۔ لیکن والدہ مرحومہ کو زندہ فرض نہیں کیا۔ اس لئے مردہ کو زندہ تصور کرنا خلافِ عقل، خلاف واقعہ ہے۔ اور سنت نبویؐ کے بھی خلاف ہے۔ مان لیجئے اگر اسے زندہ فرض کر کے حصہ دیا جاتا تو بہت ممکن ہے اس کا

حصہ بعض ایسے افراد کی طرف بھی منتقل ہوتا، جو اس صورت میں قرآن کے پیش نظر وارث نہیں بن سکتا تھا۔ مثلا اگر مرحوم اپنے لڑکے کو چھوڑ جاتا اور مرحوم کی ماں کے بطن سے پیدا شدہ مرحوم کا کوئی بھائی بھی ہوتا تو لڑکا کی موجودگی میں بھائی شرعاً وارث نہیں ہوتا ہے۔ مگر ماں کو زندہ فرض کر کے اگر اسے حصہ دلایا جائے تو پھر یہ حصہ اس لڑکے کی طرف بھی منتقل ہوتا۔ جو میت کا بھائی ہے۔ اس طرح صورت یہ ہوتی کہ میت کے متروکہ سے لڑکا کی موجودگی میں میت کا بھائی حصہ پاتا۔ جب کہ قرآن میں صراحت ہے کہ بھائی، بہن اپنے مرحوم بھائی کے ترکہ سے اس وقت حصہ پائیں گے، جبکہ مرحوم کے پاس صلبی اولاد نہ ہو’’ وان کان رجل یورث کلالة أو امرأة وله أخ أو اخت فلکل واحد منهما السدس‘‘(سورہ نساء پارہ ۴، رکوع ۱۳)۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحومہ ماں کو زندہ فرض کر کے دادی کو محروم نہیں کیا۔ اور اپنے فیصلہ سے اس حکم شرعی کا اعلان کیا کہ مرحومہ کو زندہ کرنا اور اس مفروضہ کے بنیاد پر متروکہ کو تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ وارث ہونے اور حصہ پانے کے لئے مورث کی موت کے وقت وارث کا کسی نہ کسی شکل میں موجود رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے قرآن میں بعض ورثاء کا حصہ بیان کرتے ہوئے’’ان کان له ولد‘‘(پارہ ۴، رکوع ۱۳)(اگر اسے کوئی اولاد ہو)’’ان لم یکن له ولد‘‘(پارہ ۴/رکوع ۱۳) (اگر اسے اولاد نہ ہو) جیسی شرطیں لگائی ہیں۔ اگر مرحوم کو زندہ فرض کر کے وارث بنانا صحیح مان لیا جائے تو قرآن مجید کی لگائی ساری شرطیں محض بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔ اس طرح بیان ارث میں قرآن مجید کی آیتیں صاف بتاتی ہیں کہ’’زندگی‘‘ وارث بننے کے لئے بنیادی شرط ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردہ کو زندہ مان لینا

منشاءِ خداوندی کے خلاف ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذکور فیصلہ مردہ کو زندہ فرض کرنے کے مخالف ہے۔

زندگی وراثت کی شرط

(۳) اس جگہ مزید وضاحت کے لئے عرض کردوں کہ حیات کی تین قسمیں ہیں، حیات ماضیہ، حیات حالیہ، حیات استقبالیہ۔ کسی مرحوم کو زندہ فرض کرنے میں اس کے حیات ماضیہ کا اعتبار کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک میت کے ساتھ استحقاق وحرمان جیسے احکام متعلق ہوتے ہیں جن کی تائید نہ عقل کرتی ہے نہ نقل۔ لیکن حیاتِ حالیہ اور استقبالیہ کا اعتبار بہت سے احکامِ شرعیہ میں کیا گیا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً لازم بھی ہے۔ مرسلہ مضمون میں مردہ کو زندہ فرض کرکے حصہ دلانے کی خاطر ابوداؤد شریف کی جو حدیث لکھی گئی ہے۔ اس کا تعلق بیوی کو حاملہ چھوڑ کر مرجانے کی صورت ہی سے ہے۔ چنانچہ اس کی موت کے بعد وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر مرجائے تو وارث ہوگا ورنہ نہیں، غور فرمایئے کہ یہ حمل مورث کی موت کے وقت موجود تھا۔ اور رحم مادر میں موجود بچہ حیات مستقبلہ کے ساتھ متصف بھی تھا۔ اس لئے وارث بن گیا۔ اور وہی بچہ اگر مردہ پیدا ہوتا تو وہ وارث نہیں بنتا۔ ابوداؤد کی مذکورہ حدیث بتاتی ہے کہ مورث کی موت کے بعد اس عالم وجود میں وارث کی زندگی ضروری ہے۔ حدیث کے اجزاء پر غور فرمایئے۔ تو ذہن کی گرہیں اور بھی کھلیں گی۔ ایک بچہ شکم مادر میں ہے۔ ایسے آثار محسوس ہوسکتے ہیں کہ اس میں زندگی بھی ہے مگر وہ پیدائش کے وقت مردہ تھا۔ یعنی اس عالم وجود میں اسے زندگی نہیں ملی تو حدیث کے حکم کے مطابق اسے حصہ نہ ملے گا۔ اور اگر زندگی کے آثار نومولود میں پائے گئے تو مورث کی موت کے بعد زندگی پائی گئی اس لئے وہ حقدار ہوگا۔ اسی طرح مورث کی موت سے قبل اگر کوئی امکانی وارث دنیا سے رخصت ہوگیا تو حدیث مذکور کے پیش نظر مورث کی موت کے بعد اس عالم وجود میں اسے زندگی نہ ملی اس

لئے وہ حقدار نہ ہوگا۔

اس حدیث کی بنیاد پر مردہ کو زندہ فرض کرنے کا نظریہ سمجھ میں نہیں آتا، آپ نے حاملہ بیوی کو چھوڑ کر متروکہ جائیداد کی تقسیم کے سلسلے میں فقہی جزئیات ونظائر پیش کئے ہیں۔ سب میں مورث کی موت کے وقت رحم مادر کے بچہ کے ساتھ حیات استقبالیہ کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں ضرور پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ نطفہ، علقہ اور مضغہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور پھر زندہ پیدا ہونے کی صورت میں وارث بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی خاتون کو شوہر کے انتقال کے بعد بچہ پیدا ہوا اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہوجائے کہ اس بچہ کا علوق اور نطفہ کی شکل میں بھی رحم مادر میں مرحوم کی موت کے وقت وجود نہیں تھا تو وہ بچہ زندہ پیدا ہونے پر بھی مرحوم کی جائیداد سے حصہ نہیں پاسکتا۔

(۳) تیسری بات آپ نے یہ لکھی ہے کہ وارث ہونا اور ترکہ سے حصہ ملنا یہ دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں۔ ہر ہر وارث کے لئے ترکہ ملنا لازم نہیں۔ اور اس پر قرآن کی اس آیت سے استشہاد کیا ہے۔ ''فھب لی من لدنك ولیا یرثنی و یرث من آلِ یعقوب'' (سورہ مریم رکوع۱)۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں ''وراثت'' معروف لغوی معنیٰ ''انتقال مال المورث الی الوارث بعد وفاتہٖ'' میں استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ قرآن کا یہ حصہ پڑھ جایئے تو اندازہ ہوجائے گا کہ یہاں تقسیم دولت کا مسئلہ ہے ہی نہیں۔ یہاں تو اس علم نبوت کی دولت کو لینے، سنبھالنے اور پھیلانے کی بات ہے۔ جو حضرات انبیاء کا طرۂ امتیاز ہے۔ ایک نبی وقت یہ چاہتے ہیں کہ امت کی اصلاح کا سلسلہ جاری رہے۔ کوئی اہل نظر نہیں آرہا ہے تو نبی نے یہ دعا کی اے خدا! کار نبوت کو سنبھالنے کے لئے ساتھی (ولی) بھیج دے جس کی طرف کارِ نبوت کی یہ دولت منتقل کی جائے۔ جو دولت نہ صرف اس نبی بلکہ آل یعقوبؑ (جس میں

متعدد انبیاء گزرے) کا سرمایہ ہے۔ اس لئے یہاں وراثت میں روحانی دولت ملنے والی تھی، مادی نہیں۔ آیت پر اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت دوسرے انداز سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں نبی نے ابن یا بنت کے لئے دعا نہیں کی ہے جس کی طرف عام حالات میں مادی دولت منتقل ہوتی ہے۔ بلکہ ''ولی'' (ساتھی) کی طلب ظاہر کی ہے جو کارِ نبوت میں بحکم خداوندی ساتھ دے سکے۔ یہاں قرآن مجید میں وراثت (یرثنی و یرث) کا لفظ لغوی معنی نہیں مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ بات آیت کے سیاق وسباق اور خود آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے، کوئی شخص کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو، یا کتنا ہی اچھا ساتھی کیوں نہ ہو۔ پورے خاندان (آل) کی جائیداد کا وارث نہیں بنا کرتا۔ اس میں حصے بخرے ہوتے ہیں۔ ہاں کوئی ایک شخص کسی خاندان، قبیلہ اور جماعت کی علمی اور روحانی نمائندگی کر سکتا ہے اور کرتا ہے — یہاں قرآن مجید میں استعمال کئے گئے لفظ ''وراثت'' (یرثنی و یرث) کے معنی کی تعیین کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مدد لینی چاہئے کہ انبیاء درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے۔ وہ تو علم کا وارث بناتے ہیں۔ (ولکن ورثوا العلم) (ا) اور ''العلماء ورثة الانبیاء'' سے بھی اسی وراثت علمی وروحانی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

بلاشبہ ہر وارث کے لئے ترکہ پانا ضروری نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے مورث مال و جائیداد ہی نہ چھوڑے، ایسی صورت میں وارث کو ترکہ کہاں سے ملے گا۔ لیکن اس سے یہ کس طرح معلوم ہو گیا کہ متروکہ سے حصہ پانے کے لئے اس کا وارث ہونا بھی ضروری نہیں؟ اگر حصہ پانے کے لئے وارث ہونا ضروری نہ ہو تو ہمارے آپ کے متروکہ میں ساری دنیا استحقاق کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

لغت میں ورث یرث وراثة کے معنی انتقل الیه ماله بعد وفاته کے ہیں۔ یعنی

(ا) حدیث یہ ہے: ان العلماء ورثة الأنبیاء و ان الانبیاء لم یورثوا دینارا و لا درهما، وانما ورثوا العلم، فمن أخذه أخذ بحظ وافر (مشکوٰۃ کتاب العلم)

وفات کے بعد میت کے مال کا وارث کے طرف منتقل ہونا۔ آپ غور فرمائیے کہ لغتاً جب وراثت انتقال کا نام ہوا تو منتقل الیہ کا وجود بہر حال ضروری ہوگا، ورنہ وہ منتقل الیہ بن ہی نہیں سکتا۔ پھر یہ بات کیسے کہی جا سکتی ہے کہ مورث کی موت کے وقت وارث یعنی منتقل الیہ کا وجود ضروری نہیں ہے۔

اس موقع پر آپ نے جنگ میں مارے گئے سپاہی کو بطور انعام حکومت کی طرف سے ملی ہوئی رقم سے متعلق ایک مسئلہ لکھا ہے، کہ ''سپاہی کی موت کے بعد حکومت کی طرف سے ملی انعامی رقم کو علماء ترکہ قرار دے کر قانون وراثت کے مطابق تمام ورثاء کے درمیان تقسیم کراتے ہیں''۔

مرنے کے بعد اگر کوئی رقم ورثاء کو مورث کی کارکردگی، حسن خدمت یا جذبۂ عمل کے نتیجہ میں ملتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور اس کی تقسیم کس طرح اور کیوں ہوگی، اور اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ یہ تفصیلی بحث ہے، جس کا پوتے کی وراثت کے مسئلہ سے براہِ راست تعلق نہیں ہے، اس لئے میں اس موضوع پر یہاں کچھ نہیں عرض کرنا چاہتا، لیکن آپ نے ''سپاہی کی موت پر ملنے والی رقم'' کا ذکر کر کے کیا استدلال کرنا چاہا ہے، یہ واضح نہیں ہو سکا — اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایسی رقموں میں وراثت نہیں جاری ہونی چاہئے، تو اس سے یتیم پوتے کا مسئلہ حل نہ ہوگا — اور اگر آپ وراثت جاری ہونے کو درست سمجھتے ہیں تو بھی یتیم پوتا کا مسئلہ اپنی جگہ رہے گا۔ اور اگر آپ کی رائے یہ ہے کہ ایسے مرحوم سپاہی دادا کے محروم پوتے کو وہ ساری رقم مل جانی چاہیئے، تو اس کی شرعی دلیل بھی پیش کرنی چاہیئے۔

(۴) اس نمبر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چار روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان سبھوں کا قدر مشترک دادی، نانی اور دادا کے حق وراثت کا اثبات ہے، جس سے نہ کسی کو

اختلاف اور نہ وہ موضوع بحث، اس کے بعد سورہ نساء کی ایک آیت ''ولابویه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد'' (سورہ نساء رکوع ۲) کو پیش کر کے اس دعویٰ کے ساتھ کہ یہاں ''ابویہ'' کے مفہوم میں دادا کو شامل مانا گیا ہے۔ ایک سوال کیا گیا ہے کہ جب ''ابویہ'' کے مفہوم میں دادا شامل ہے تو کیا ولد کے مفہوم میں ''ولد'' اور ''ولد الابن'' کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے ــــ؟'' قرآن میں بعض جگہ لفظ 'ولد' کا استعمال صرف لڑکے کے لئے ہوا ہے اور بعض دوسری جگہ لڑکا، لڑکی، پوتا، پوتی سب کو شریک کر لیا گیا ہے، مثلاً ان ہی آیت میراث میں ''ان أمرؤٌ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك'' (پارہ ۶ رسورہ نساء رکوع ۴) اور وهو يرثها ان لم يكن لها ولد (حوالہ مذکورہ) ان دونوں جگہوں میں لفظ ولد صرف بیٹا ہی کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہاں ولد کے مفہوم میں صلبی بیٹی تک کو شامل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے دلائل اپنی جگہ مذکور ہیں۔ اس کا مطالعہ کر لیا جائے (۱) لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پیش کردہ آیات ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد (سورہ نساء رکوع ۲) اور يوصيكم الله فی أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين (سورہ نساء رکوع ۲) وغیرہ آیات میں ولد اور اولاد کا مفہوم و مصداق عام ہی ہے۔ اور اس کے مفہوم میں لڑکا اور پوتا، لڑکی اور پوتی سب شام ہیں۔ لیکن اس عموم سے چچا کی موجودگی میں پوتا کو حصہ ملنا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

''ابویہ'' یا ''اولاد'' کے مفہوم میں عموم تسلیم کرنے کے بعد صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ماں، باپ، دادا، دادی کی طرح بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی سب ہی لوگ اپنے اپنے دادا

(۱) كماقيل فی الشريفية فی تعيين المراد بالولد فی قولهٖ تعالیٰ ان امرءٌ هلك ليس له ولد وله اخت فلها نصف ما ترك رداًلاستدلال ابن عباسؓ تحت قولهٖ عليه السلام اجعلوا الاخوات مع اللبنات عصبة أن المراد بالولد ههنا هو الذكر بدليل قوله تعالیٰ وهو يرثها ان لم يكن لها ولد ای ابن بالاتفاق لان الاخ يرث مع الابنة وقد تأيد ذالك بالسنة الخ ص ۳۳

دادی، ماں، باپ، پوتا، پوتی اور لڑکا لڑکی کی متروکہ جائیداد سے سہام شرعی کے مطابق حصہ پائیں گے۔ یہ تو ایک مسلمہ امر ہے۔ اس سے کسی کو مجال اختلاف نہیں۔ بحث تو یہ ہے کہ مرحوم بیٹے کی اولاد زندہ بیٹا کے ساتھ جمع ہو جائے۔ تو وہ اپنے دادا کے متروکہ سے حصہ پائے گی یا نہیں؟ اس آیت کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس موقع پر عربی کے لفظ ''کان'' سے بھی مسئلہ زیرِ بحث میں پوتا کو حصہ دار ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عربی کا لفظ ''کان'' بلاشبہ گزرے ہوئے کسی امر یقینی کو بتلانے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، جس کا ترجمہ اردو زبان میں تھا کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ لیکن قاعدہ کے مطابق جب ''کان'' جیسے افعال پر حرف شرط ''ان'' داخل ہو جاتا ہے تو یہ مستقبل میں کسی محتمل امر پر دوسری چیز کو معلق کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ ''ولأبويه لكل واحد منهما السدس ان كان له ولد'' میں لفظ کان کو اگر غلط طریقے پر تھا کے معنی میں بھی لے لیا جائے تو اس صورت مسئولہ میں پوتا کا حصہ کیوں کر ثابت ہو جائے گا؟ آیت میں تو بس ماں، باپ کے حصّے کا بیان ہو رہا ہے۔ اس سے زندہ بیٹا کی موجودگی میں مرحوم بیٹا کا استحقاق اور پھر مرحوم بیٹا کو زندہ فرض کر کے اسے حصہ دلانا اور پھر اس کے حصہ کو اس کے بیٹے کی طرف منتقل کرنا کیسے ثابت ہوتا ہے۔؟

(۵) اس نمبر کے تحت قرآن پاک کی چندہ وہ آیتیں نقل کی گئی ہیں جن میں ''اولاد'' ''والدان'' اور ''ولدان'' کے الفاظ آئے ہیں۔ اور ان الفاظ کے مفہوم میں عموم ہونے کی بنیاد پر پوتا کو اپنے مرحوم باپ کا قائم مقام سمجھے جانے کی گنجائش کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ اور پھر وطنی بھائیوں ہندوؤں کے رواجی قانون میراث کو پیش کیا گیا ہے۔ اندازِ تحریر سے یہ تمنّا ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی قانون بھی برادرانِ وطن کے رواجی قانون کی طرح بنا دیا جائے تا کہ پوتا حصہ پا سکے۔

مذکورہ بالا الفاظ کے مفہوم میں عموم کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس آیت میں صرف وہی افراد مراد نہیں ہیں جو بلا واسطہ والدین اولاد اور ولدان کہلاتے ہیں۔ بلکہ بالواسطہ والدین، اولاد یعنی تمام اصل وفروع مراد ہیں۔ اگر اتنی سی بات سے مرحوم باپ کو زندہ فرض کرکے پوتے کو اس کا قائم مقام بنانا علی الاطلاق ثابت ہو جائے، تو خود قرآن کی مختلف آیتوں میں تضاد اور تخالف پیدا ہوگا۔ اور قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر وتصدیق نہیں، بلکہ تکذیب کرتی نظر آئے گی۔ قائم مقامی کے نظریہ کے ناقص بلکہ باطل ہونے کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔ ایک اور مثال سے اس نظریہ کا غلط ہونا واضح ہوتا ہے۔

قرآن کا کھلا ہوا حکم ہے ''یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ'' یعنی اولاد ذکور اولاد اناث کے مقابلہ میں دوگنا پائے گی۔ اور اولاد اناث ذکور کے مقابلہ میں آدھا۔ اب ایک مثال لیجئے: احمد کے دو لڑکے محمود و جاوید اپنے والد کی زندگی ہی میں مر جاتے ہیں۔ محمود صرف ایک لڑکی اور جاوید صرف دو لڑکے چھوڑتے ہیں۔ اس کے بعد احمد کا انتقال ہوتا ہے۔ احمد اپنے دونوں لڑکوں محمود وجاوید کی تینوں اولاد ایک پوتی دو پوتے کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوتے ہیں۔ اس صورت میں قرآنی حکم ''للذکر مثل حظ الانثیین'' کے مطابق دادا کے متروکہ سے پوتی کو ۱/۵ اور دونوں پوتوں کو ۲/۵، ۲/۵ ملیں گے۔ یعنی روپے میں صرف بیس پیسے پوتی کو اور چالیس چالیس پیسے ہر ایک پوتے کا حصہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ کے اصول قائم مقامی کو تسلیم کرکے وارثوں کو حصہ دیا جائے گا تو پوتی اپنے باپ محمود کی قائم مقام بن کر دادا کے متروکہ کا ۱/۲، یعنی آدھا پائے گی۔ اور دونوں پوتے اپنے باپ جاوید کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے سو پیسے میں سے پچیس پچیس پیسے پائیں گے۔ یعنی قرآنی تقسیم پوتوں کو چالیس چالیس پیسے اور پوتی کو بیس پیسے دلاتی ہے۔ اور قائم مقامی والی تقسیم پوتی کو پچاس پیسے اور دونوں پوتوں کو پچیس پچیس پیسے دلاتی ہے۔ آپ خود غور

فرمایئے کہ آپ کے تصنیف کردہ اصول پر عمل کا نتیجہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی شکل میں ظاہر ہوا یا نہیں؟ اور آپ کے اصول کو استعمال کرنے کا ثمرہ قرآنی آیات کی تکذیب کی شکل میں نکلا یا نہیں؟

(٦) اس کے بعد کچھ ذیلی نمبرات ہیں جس میں کوئی علمی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ مسئلہ زیرِ بحث پر متعلق اور غیر متعلق کچھ جذباتی باتیں کہی گئی ہیں۔ جن میں باہم کوئی ربط بھی نہیں۔ مثلاً فتح مکہ کے موقع پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا اور فرمایا ''من دخل دار ابی سفیان فهو امن'' اور ابوسفیان اسلام کے طاقتور دشمن میں سے تھے۔ مضمون کے اخیر میں فتح مکہ کے اس واقعہ سے پوتے کی وراثت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور دور حاضر کے علماء کرام کو احساس کمتری کا شکار بتلایا گیا ہے۔ اور انہیں اپنے اسلاف کے خلاف ابھارا گیا ہے۔ نیز یہ کہہ کر دراصل فقہائے کرام پس پردہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ پوتے کو وارث ہونا چاہیئے، لیکن اپنے طرز فکر سے وہ مجبور ہو کر وہ اسے وارث نہیں بناتے اور اپنے اس قصور کی تلافی وصیت وکفالت کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں۔

چودہ سو سال کے فقہاء وعلماء کی نیتوں پر حملہ کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں کہ ان ضمنی نمبرات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی جائے، اور بے جا نقد واعتراض اور نیتوں پر حملوں کا جواب دیا جائے۔ آپ نے جو کچھ کہا اور جس طرح لکھا سر آنکھوں پر۔ ہم آپ کو نیک نیت ہی سمجھتے ہیں۔

بدم گفتی و خور سندم نکو گفتی عفاک اللہ
جواب تلخ می زیبد لب لعل و سکر خارا

جب آپ کے نزدیک چچا کے رہتے ہوئے پوتے کی وراثت ثابت ہے۔ اور آیات میراث اور آیاتِ اموال یتیم کا یہی مفہوم ہے۔ اس سے ثابت بھی یہی ہے تو خدارا چودہ سو

سال کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بتلایئے جہاں چچا کے رہتے ہوئے پوتے کو حصہ دیا گیا ہو۔ زمانۂ رسالت میں عہدِ صحابہ میں، عہدِ تابعین میں آج تک کی کوئی ایک مثال پیش کیجئے ادھر ادھر بھکنے اور بے جوڑ باتیں لکھنے سے کوئی حاصل نہیں۔ اگر پوتے کی وراثت آپ کے نزدیک ایسا ہی ثابت شدہ امر ہے تو کوئی ایک مثال پیش کر دیجئے۔ اور اگر آپ کو کوئی مثال نہیں ملتی تو پھر صاف ذہن کے ساتھ سابقہ معروضات پر غور فرمایئے۔ انشاء اللہ آپ کی علمی پیاس بجھ جائے گی۔ اس موقع پر مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق بعض باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ جو انشاء اللہ شبہات کے ازالے میں معاون ہوں گی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چچا کے رہتے پوتا تو محروم ہو گیا۔ لیکن اب اس کی کفالت کون کرے گا، اور اس کے زندہ رہنے اور پرورش کی کیا سبیل ہوگی؟ تو اسلام نے اس مسئلہ کا حل کفالت اور وصیت کو بنایا ہے۔ جس کا ذکر فقہ اسلامی میں آپ کو ہر جگہ ملے گا۔ کفالت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی بچہ حدِ بلوغ کو نہیں پہنچتا یا بلوغ کے بعد بھی وہ خلقتاً ناقص اور کمزور ہے کہ کسب معاش نہیں کر سکتا تو ایسے نابالغ بچے اور معذور افراد کی ضروریات زندگی کا پورا کرنا ان کے قریبی رشتہ داروں پر شرعاً لازم اور ضروری ہے۔ اب اگر وہ دودھ پینے کے دور میں ہے تو ان کی رضاعت اور حضانت کی کفالت قریبی رشتہ داروں پر ہوگی۔ ورنہ ان کی خورش و پوشش اور دوسری ضروریات زندگی کی کفالت ان کے ذمہ ہوگی۔ اور یہ ذمہ داری قرآن کی آیت علی الوارث مثل ذلك سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ ''وعلی الوارث مثل ذلك'' کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ پانے والوں پر مقدار ترکہ کے مطابق کفالت لازم ہے۔

کیا قرآن کے حکم کے بموجب جو قریبی اعزہ اور رشتہ دار جس میں سب سے پہلے دادا کا نمبر آتا ہے۔ اس یتیم پوتے کی کفالت کریں تو اس سے اس پوتے میں احساس کمتری پیدا

ہوگا، کیا باپ اور کیا دادا؟ اگر باپ پرورش کرتا ہے تو اس سے بچے میں خودداری اور احساس برتری پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر دادا یا چچا پرورش کرتے ہیں تو اس سے احساس کمتری پیدا ہوگا۔ اور بچے کی خودداری اور اس کی انا کو ٹھیس لگے گی۔ یقیناً آپ بھی کہیں گے کہ ہرگز نہیں۔ بہر حال یتیم کی کفالت اس کے قریبی رشتہ داروں پر بلوغ تک ہے۔ بالغ ہونے کے بعد اگر کسب معاش کی صلاحیت موجود ہے تو شرعاً اس کے بازو کی طاقت اور اس کی اپنی صلاحیت کارکردگی اس کی ذمہ دار ہے۔ اسلام نے بلوغ سے پہلے بچے کی کمزوری اور ناتوانی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی پرورش اور پرداخت قریبی رشتہ داروں پر لازم کی کہ بچہ ضائع نہ ہو جائے۔ مگر بلوغ کے بعد اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ نکما اور اپاہج بن کر اپنے کسی بزرگ یا رشتہ دار پر بوجھ بنا رہے۔

اسلام نے یتیم پوتے کی اس محرومی کا ایک اور حل ''وصیت'' کی شکل میں رکھا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا۔ ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خیر ِالوصیة للوالدین و الاقربین بالمعروف حقا علی المتقین ''(سورہ بقرہ رکوع ۲۳) تو یہ بوڑھا دادا جس پر اپنے محروم پوتے کی کفالت سب سے پہلے لازم ہے۔ وہ اپنے پوتے کے لئے وصیت نہ کرے گا۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ دنیا کے سارے محروم پوتوں کا درد ہمارے اور آپ کے دل میں تو ہے۔ لیکن اس دادا کے دل میں نہیں جو ابھی دنیا کو چھوڑنے والا ہے۔ اور پھر مذکورہ بالا آیات کے بعد وہ کونسا اور کس طرح کا دادا ہوگا۔ جو اپنے محروم پوتے کے لئے وصیت نہ کر جائے۔

اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه،

آمین

زبیر احمد قاسمی

استاد جامعہ رحمانی، مونگیر

۱۳ر جمادی الاول ۱۴۰۴ھ